بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ، أَمَّا بَعْدُ:

47-اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ کا بیان

العقیدۃ الواسطیۃ لشیخ الاسلام الامام ابو العباس احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ، شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ۔اور آج کی نشست سے اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ (پیارے ناموں) کے تعلق سے جو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے چند اہم باتیں کی ہیں اُن کے تعلق سے درس کا آغاز کرتے ہیں (اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ یعنی صفات کمال کے تعلق سے بات ہو چکی ہے اب اسمائے حسنیٰ کے تعلق سے چند اہم باتیں ہونے والی ہیں)۔

اور اس تعلق سے شرح میں فضیلۃ الشیخ العلامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ مصنف رحمہ اللہ نے (یعنی شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے) اللہ تعالیٰ کے نام یعنی اسمائے حسنیٰ کے تعلق سے ایک آیت بیان کی ہے اور اس کے علاوہ بہت ساری آیات بیان کی ہیں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور پاکیزگی بیان کرنے کے لیے،اور مثل کی نفی کرنے کے لیے۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں کے تعلق سے جو آیت ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾(الرحمٰن:78)۔

﴿تَبٰرَكَ﴾: شیخ صاحب فرماتے ہیں علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے"تَعَالَى وتَعاظَمَ" (بہت بلندیوں اور عظمت والا)، جب یہ وصف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے (یعنی تبارک اللہ جب کہتے ہیں) جیسا کہ اس آیت میں ہے ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ﴾: یعنی" تَعَالَى وتَعاظَمَ": جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾(المؤمنون:14):

یعنی جب برکت کو اللہ تعالیٰ کے نام سے (اللہ تعالیٰ سے) جوڑا جاتا ہے اسم کے لفظ کے علاوہ۔

یعنی برکت کا لفظ "تبارك" کا لفظ دو طریقے سے بیان ہوا ہے قرآن مجید میں: (۱) ایک لفظ ذوالجلالہ "اللہ" کے ساتھ "تبارك الله"۔ (۲) دوسرا اللہ تعالیٰ کے اسم (نام) کے ساتھ "تبارك اسم الله"، جیسا کہ سورۃ الرحمٰن کی آیت میں ہے۔ اس میں فرق کیا ہے؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کہ جب اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ "تبارك" کا لفظ جڑا ہوتا ہے تو علماء یہ کہتے ہیں اس کا معنی ہوتا ہے "تَعَالَى وتَعاظَمَ" (بہت بلندیوں والا اور عظمت والا ہے) جیسا کہ ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ﴾ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس کا وصف کیا جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ برکت اللہ تعالیٰ کے نام میں ہے، یعنی جب اللہ تعالیٰ کا نام کسی چیز کے ساتھ لیا جاتا ہے تو اس میں برکت حاصل ہو جاتی ہے۔

پھر حدیث بیان کی ہے کہ جس معاملے میں یا جس معاملے کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے یا اس کی "بسم اللہ" سے ابتداء نہ کی جائے "فَهُوَ أَبْتَرُ": یعنی "ناقص البركة"۔

اور یہ حدیث جو قول راجح ہے ضعیف حدیث ہے سنداً حدیث صحیح نہیں ہے، لیکن بعض علماء اسے بیان کرتے ہیں کیونکہ اس کا معنی صحیح ہے۔

معنی کے اعتبار سے صحیح ہے کہ جس معاملے میں آپ اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں تو اس میں برکت عام ہو جاتی ہے اور اُس میں جو خیر جڑا ہے وہ بآسانی حاصل کیا جا سکتا ہے، اور جس معاملے میں اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے اس میں برکت جو ہے وہ کم پائی جاتی ہے۔

کیونکہ جیسے ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ حرف الباء جو ہے استعانت کے لیے ہے (یعنی مدد کے لیے ہے) اور برکت کے لیے بھی یہ استعمال ہوتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ برکت بھی شامل ہو جاتی ہے۔

پھر "بسم اللہ" کا دوسرا فائدہ بیان کرتے ہیں: یعنی اب "بسم اللہ" "اللہ تعالیٰ کا نام" "اسم الله" جب اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے اور "بسم اللہ" کہا جائے تو اس کا کیا فائدہ ہے؟

1-پہلا فائدہ کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کی مدد اور برکت کا شامل ہونا۔

2-دوسرا فائدہ شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ): کہ جو حرام ہو جاتا ہے، بعض حرام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے، جیسا کہ جب آپ جانور ذبح کرتے ہیں (ذبیحہ جو ہوتا ہے) قربانی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہیں "بسم اللہ" اور پھر تکبیر پڑھتے ہیں بعد میں تو یہ جو جانور ہے وہ حلال ہو جاتا ہے۔

اور اگر اسی جانور کو جو ذبح کرنے سے اللہ کا نام لینے سے حلال ہو جاتا ہے جیسا کہ چوپائے جانور جو ہیں (أنعام جو ہیں جیسا کہ بکری ہے، گائے ہے، اونٹ وغیرہ) جب اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں تو وہ حلال ہیں، جب اللہ تعالیٰ کا نام لیے بغیر ذبح کرتے ہیں تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ (یہ بھی اللہ تعالیٰ کے نام کا فائدہ ہے)۔

3-اسی طریقے سے شیخ صاحب فرماتے ہیں: کہ جب طہارت کے لیے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے (حدث کی طہارت سے) تو وہ صحیح ہو جاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے تو وہ صحیح نہیں ہوتی، "على أحد القولين"۔

یعنی علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ "بسم اللہ" وضو سے پہلے پڑھنا جو ہے یا طہارت سے حدث سے پہلے پڑھنا کیا واجب ہے یا مستحب ہے؟ اور اگر واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے کیا اس کے بغیر طہارت جو ہے وہ صحیح ہوتی ہے یا نہیں ہوتی ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، قول راجح جو ہے کہ یہ مستحب ہے اور اس کے بغیر بھی طہارت ہو جاتی ہے، اس لیے فرمایا "على أحد القولين"۔

(اور علماء کے ہمیشہ اقوال جو ہیں وہ سمجھنے کے ہوتے ہیں، جب عالم کہے نا "على أحد القولين" تو اس کا مطلب ہے کہ دوسرا قول بھی ہے، تو دو اقوال ہیں۔ بعض اوقات تو علماء راجح بیان کر دیتے ہیں بعض اوقات راجح بیان نہیں کرتے)۔

اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ اُسی قول کی طرف جاتے ہیں جو استحباب کا ہے جیسا کہ شرح الممتع میں اور دیگر کتابوں میں بیان فرمایا ہے۔

4-اور اسی طریقے سے کہ جب انسان کھانا کھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لے "بسم اللہ" کہے تو شیاطین جو ہیں وہ اس کے ساتھ نہیں کھا سکتے، اور اسی طریقے سے حدیث میں آیا ہے جب اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے گھر میں داخل ہوتے ہوئے تو گھر سے بھی شیاطین نکل جاتے ہیں۔

5-اور اسی طریقے سے جماع کرنے سے پہلے جب انسان اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے اور یہ دعا پڑھتا ہے: ''اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا'': جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں آیا ہے، اور اُن کے یعنی جماع سے اللہ تعالیٰ اُن کے مقدر میں اولاد بھی لکھ دیتا ہے یا جو اولاد بھی پیدا ہو جاتی ہے ''لم يضره الشيطان أبداً'': تو شیطان کے وسوسے اور شر اور حیلوں سے (یعنی شیطان کے شر سے) محفوظ ہو جاتا ہے، اور اگر ایسا نہیں کرتا (یعنی جماع کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا) تو پھر یہ اولاد جو ہے وہ شیطان کے لیے آسان ہدف ہو جاتی ہے۔

تو یہ مقدمہ تھا مختصر سا اللہ تعالیٰ کے نام کے تعلق سے تو یہ پانچ فائدے شیخ صاحب نے بیان کیے ہیں۔

اب واپس آتے ہیں:

﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ﴾ (الرحمٰن:78): ﴿تَبٰرَكَ﴾ اس کا کیا معنی ہو گا؟ ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ﴾ ؟ یعنی: ''تعالي وتعاظم''۔

فرق ہے دونوں میں:

(۱) جب اسم کے ساتھ ہو گا تو اور ہے، جب اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ براہ راست اور بغیر اسم کے لفظ کے تو پھر ''تعالي وتعاظم'' ہے، ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ ''تعالي وتعاظم''۔

(۲) اب ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ﴾ اس کا کیا معنی ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ برکت جڑی ہوئی ہے جب اللہ تعالیٰ کا نام کسی چیز کے ساتھ لیا جائے۔

﴿ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾: ''﴿ذِي﴾: بمعني صاحب'' (یعنی والا)۔

(اردو میں کہتے ہیں والا: عزت والا، شان والا، بلند درجے والا)۔

''﴿ذِي﴾: صاحب'': اور یہ ربّ کی صفت ہے ﴿ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾: ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾: یہ صفت ہے ربّ کی، اسم کے لفظ کی نہیں ہے کیونکہ اگر اسم کے لفظ کی ہوتی تو ''ذو'' ہونا چاہیے تھا ''تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذو الْجَلالِ'' یا ''ذِي الْجَلالِ وَالْإِكْرَامِ؟'' اس آیت میں ﴿ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ ہے۔

ذو کیوں نہیں ہے ﴿ذِی﴾ کیوں ہے؟ کیونکہ لفظ دو ہیں: ﴿تَبٰرَكَ اسۡمُ﴾ اسم جو ہے مرفوع ہے، اگر یہ صفت جو ہے اسم کی ہوتی تو "ذو الْجَلالِ وَالْإِكْرَامِ" ہونا چاہیے تھا۔

﴿تَبٰرَكَ اسۡمُ رَبِّكَ﴾ اسم مضاف ، ﴿رَبِّكَ﴾ ربّ جو ہے مضاف اِلیہ مجرور ہے ، تو اس لیے ﴿ذِی﴾ ۔ اب ﴿ذِی﴾ صفت ربّ کی ہے یا اسم کی ہے ؟ لفظ دو ہیں نا "اسم اور ربّ " ۔ ﴿تَبٰرَكَ اسۡمُ﴾ اسم کیا ہے ؟ مرفوع ہے مضاف ہے۔ ''(ربِّ)'' کسرہ ہے، مضاف اِلیہ ہے۔ ﴿ذِی﴾ صفت ہے ربّ کی ہے یا اسم کی ہے؟ ﴿ذِی﴾ ہے تو اس لیے ربّ کی صفت ہے نا، اسم کی بھی ہے لیکن اس آیت میں ربّ کی صفت ہے یعنی ربّ جو ہے وہ جلال والا کرام والا ہے۔

اور ﴿الۡجَلٰلِ﴾: ''بمعني: العظمة''(عظمت والا)۔

﴿وَالۡاِكۡرَامِ﴾: ''بمعني: التكريم''، اور اکرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اُس کے لیے یعنی تکریم اللہ تعالیٰ کی کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہوتی ہے تو ﴿وَالۡاِكۡرَامِ﴾ کے لفظ میں دونوں شامل ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی زیادہ فرمانبرداری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی عزت اور شان بڑھا دیتا ہے اُس کا اکرام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے اللہ تعالیٰ کا اکرام ہوتا ہے۔

﴿الۡجَلٰلِ﴾ کے لفظ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا بیان ہوتا ہے'' في نفسه''یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں۔

اور ﴿الۡاِكۡرَامِ﴾ سے لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عزت اور شرف جو ہے اور تعظیم جو ہے یہ معنی ہوتا ہے کہ مومنوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی کتنی عظمت ہے وہ لفظ ﴿الۡاِكۡرَامِ﴾ سے پتہ چلتا ہے۔

یہ تھی آیت اللہ تعالیٰ کے نام کے تعلق سے ﴿تَبٰرَكَ اسۡمُ رَبِّكَ ذِی الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ﴾۔

پھر شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے کئی آیات بیان کی ہیں '' في الصفات المنفية'': منفی صفات اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی مثلیت کی نفی کرتے ہوئے۔

1- پہلی آیت، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاعۡبُدۡهُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبٰدَتِهٖ ؕ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ (مریم:65)۔

(اس آیت کو یاد کر لیں میں اس کی اہمیت بتاتا ہوں ذرا، سورۃ مریم آیت نمبر 65)۔

﴿فَاعۡبُدۡهُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾: اور جو اس آیت کی ابتداء ہے شروع سے: ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا فَاعۡبُدۡهُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾۔

(یہ پوری آیت یاد کرنی ہے، صرف یہ حصہ نہیں جو یہ ہے ﴿فَاعۡبُدۡهُ﴾ سے، بلکہ ﴿رَبُّ﴾ سے، وجہ بتاتا ہوں میں)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مصنف نے اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ کی ابتداء اس آیت سے کی ہے۔

صفات منفیہ سے مراد کیا ہے پتہ ہے؟ یعنی وہ صفات جن کی اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے صفات منفیۃ کہتے ہیں۔

صفات ثبوتیہ کیا ہیں؟ یا ثابت ہیں جیسا کہ السمیع البصیر، العزیز الحکیم، العلیم الحلیم۔ یہ کیا ہیں ساری؟ مثبت ہیں ثابت کیا ہے اللہ تعالیٰ نے۔

دوسری قسم کی صفات اس اعتبار سے وہ ہیں جو منفی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے جیسا کہ ﴿لَا تَاۡخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوۡمٌ﴾(البقرۃ:255)، نفی کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے اونگھ کی اور نیند کی۔

اور اسی طریقے سے اس آیت میں: ﴿هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾: یعنی "لا تعلم له سميا"۔ سمی کہتے ہیں نِد کو، برابر کو، مثیل کو، یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی ذات ہے جس کے نام جیسی ذات کوئی بھی نہیں ہے، کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔

اور صفات منفیہ کا ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ دو چیزیں ہیں پہلے بیان کر چکے ہیں: (۱) ایک تو کمال جو ہے جب تک صفات منفیہ کی نفی نہ کی جائے کمال مکمل نہیں ہوتا (کمال کو ثابت کرنے کے لیے)۔ (۲) اور دوسرا "إثبات كمال الضد" جو اُس کی ضد ہے اُس کو ثابت کرنا واضح ہو جاتا ہے، اور جو کمال ہے اُس میں چار چاند لگ جاتے ہیں دوسرے لفظوں میں۔ اب دیکھیں:

﴿فَاعۡبُدۡهُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ﴾ یعنی حرف الفاء اعراب کے اعتبار سے "مفرعة على ما سبق": یعنی جو پہلے ذکر کیا گیا ہے اُس کے ساتھ اس کی مزید تفصیل بیان کی جا رہی ہے اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا﴾: اللہ تعالیٰ نے ربوبیت کا ذکر کیا ہے کہ آسمان اور زمین اور جو اُن کے بیچ میں ہے اِن تمام چیزوں کا ربّ اللہ تعالیٰ ہے۔

اور پھر جب یہ ثابت کر دیا ہے لوگوں کے دلوں میں، لوگوں نے اس چیز کا اقرار کر لیا ہے اب اُن پر واجب کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں: ﴿فَاعۡبُدُوۡهُ﴾: کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے اُس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار بھی کرے ورنہ وہ متناقض ہوگا۔

یعنی جس نے توحید ربوبیت کا اقرار کیا ہے اور اس پر ایمان لا چکا ہے اب اُس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید عبادت (توحید الوہیت) پر بھی ایمان لے کر آئے ورنہ اُس کا ایمان توحید ربوبیت پر بے فائدہ ہے جیسا کہ مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے کہ نہیں؟!

دیکھیں بچپن میں جب بات ہوتی تھی نا تو ابو جہل ابو لہب کے تعلق سے کہتے ہیں "یہ اللہ کو ماننے والے نہیں تھے"۔ تو عوام الناس میں ایک یہ جہل مرکب عام ہے آج بھی اکثر لوگوں سے پوچھیں وہ کہتے ہیں "اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں اللہ تعالیٰ کو مانتے نہیں ہیں"، اور یہ غلط ہے!

(1) ابو جہل ابو لہب اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔

(2) یہ بھی مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ واحد ربّ ہے پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، خالق اللہ تعالیٰ ہے مالک اللہ تعالیٰ ہے، مشکل کشا اللہ تعالیٰ ہے حاجت روا اللہ تعالیٰ ہے، نفع و نقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اُس کے سوا کوئی نہیں ہے۔

اس لیے آپ دیکھ لیں کہیں پر بھی اُن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ربوبیت میں کسی کو شریک نہیں کیا ہے، انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا ہے کہ یہ بُت جو ہیں (لات، عزیٰ وغیرہ جو ہیں) یہ خالق ہیں یا مالک ہیں یا تدبیر کرتے ہیں یا مشکل کشا ہیں، کبھی نہیں ملے گا آپ کو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کیا بیان فرمایا ہے؟ ﴿مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِيُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلۡفٰى﴾ (ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کر دیں قریب کر دیں) (الزمر: 3)۔

﴿زُلۡفٰى﴾ (یعنی قریب کرنا) یعنی اللہ تعالیٰ کی نزدیکی۔ اصل نزدیک کس کے ہونا ہے یہ تو واسطہ ہیں ذریعہ ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا قرب کون چاہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے قریب کون ہونا چاہتا ہے؟ ابو جہل ابو لہب کے تعلق سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونا چاہتے ہیں لیکن طریقہ کیا ہے؟اُن کی عبادت۔ کس کی؟اِن بُتوں کی عبادت۔ تواللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ توشرک ہے!(سبحان اللہ)۔

﴿فَاعْبُدْهُ﴾: پس اُس کی عبادت کرو۔ کون؟ جو﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔اور اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ کو ربّ تو مان لیتا ہے لیکن عبادت میں اللہ تعالیٰ کی توحید نہیں کرتا عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے کرتا ہے کسی اور کے لیے بھی وہ عبادت صرف کر دیتا ہے تو ایسا شخص جو ہے حقیقتاً اللہ تعالیٰ کو ربّ بھی نہیں مانتا، یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کو ربّ ماننے کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا﴿فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ﴾(المائدۃ:72)،اُس پر جنت حرام ہو چکی ہے!

عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مانتا بھی ہے وجود کو بھی مانتا ہے، اپنے دل سے اقرار کرتا ہے زبان سے بھی اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے، وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ربّ ہے اُس میں شرک بھی نہیں کرتا اُس کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے اُس پر جنت حرام کر دی ہے۔ کیوں؟ کیونکہ اُس نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے! سب سے بڑی غلطی کیا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلوق میں سے کسی کو شریک کر دیا ہے عبادت میں۔

دوسری بات اس کا مطلب کیا ہوا شرکِ کی عبادت سے بڑا جرم کیا ہے؟"شرك في الربوبية"۔

اس لیے بڑی تلخ بات ہے بعض لوگوں کو مشکل سے سمجھ آتی ہے، بات بالکل آسان ہے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب شرک سب سے بڑا گناہ ہے﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾(لقمان:13)۔

شرک کی قسموں میں سے: (۱) ایک شرک فی العبادۃ ہے جو ابو جہل اور ابو لہب کرتے تھے۔ (۲) اور دوسری قسم کا شرک "شرک فی الربوبیۃ" ہے جو وہ نہیں کرتے تھے۔ دونوں میں فرق کیا ہے؟

ربوبیۃ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مشکل کشا ماننا یہ توحید فی الربوبیۃ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں کوئی حاجت روا نہیں، کوئی خالق نہیں کوئی مالک نہیں، پیدا بھی اللہ تعالیٰ کرتا ہے، مشکل کشا بھی اللہ تعالیٰ ہے حاجت روا بھی اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ربوبیت کا مستحق نہیں نہ ہو سکتا ہے، یہ توحید فی الربوبیۃ ہے۔

اِس کے اُلٹ شرک فی الربوبیۃ کیا ہے؟

کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اولاد دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بگڑی بناتا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مشکل کشا ہو سکتا ہے، یہ شرک فی الربوبیۃ ہے اور یہ بد ترین قسم کا شرک ہے! بد ترین اس لیے ہے کہ ابو جہل ابو لہب بھی یہ شرک نہیں کرتے تھے! (إنا للہ وإنا إلیه راجعون)۔

ذرا اُمت کا حال دیکھیں: علی کے ساتھ کیا جوڑ دیتے ہیں؟ عجب دیکھیں (سبحان اللہ) علی مشکل کشا! وہ کہتے ہیں کہ اگر علی مشکل نہ ہو تو سیدنا علی کی شان میں گستاخی ہو جاتی ہے! (نعوذ باللہ)۔ دیکھیں!

غوث حاجت روا! (سبحان اللہ)۔ پہلے تو غوث کا لفظ ہی غلط ہے۔ شدید مصیبت میں مدد کرنے والا کون ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہے؟ اور حاجت روا (سبحان اللہ) مخلوق محتاج ہے یا حاجت روا ہے؟

دیکھیں دو ذاتیں ہیں: (۱) ایک خالق ہے۔ (۲) ایک مخلوق ہے۔

خالق مشکل کشا ہے حاجت روا ہے، نفع و نقصان کا مالک ہے، تدبیر کرتا ہے وہی رازق ہے، وہی مالک ہے۔

مخلوق مخلوق ہے مسکین ہے، فقیر ہے، حقیر ہے، محتاج ہے، مشکل میں ہے تکلیف میں ہے، درد بھی ہوتا ہے، محتاج بھی ہے کھانے کا پینے کا قضائے حاجت کا، وغیرہ وغیرہ۔

یہ مخلوق کبھی بھی خالق کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی اگر کوئی بھی اس مخلوق کو خالق کی صفات میں سے کوئی صفت بھی صرف کر دے یا کوئی حق بھی صرف کر دے تو یہ شرک سمجھا جاتا ہے۔ اور بد ترین قسم کا شرک کون سا ہے؟ شرک فی الربوبیۃ۔

﴿فَاعۡبُدۡهُ﴾ (پس اُس کی عبادت کرو) "أي: تذلل له محبة وتعظیماً: یہ عبادت کا معنی ہے اور ﴿فَاعۡبُدۡهُ﴾ میں دونوں چیزیں ہیں: (۱) ایک عبادت ہے (۲) اور جس چیز سے عبادت کی جارہی ہے (یعنی فعل بھی اس میں شامل ہے)۔

﴿وَاصۡطَبِرۡ﴾: اصل میں یہاں "اصتبر" (الف، صاد، تاء، باء، راء): تو تاء کو طاء علت تصریفی کی وجہ سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اور صبر کا معنی "حبس النفس" (نفس کو روکے رکھنا)۔

"اصطبر": اصبر سے زیادہ بلیغ ہے، اصل ہے "اصبر" (صبر کرو)، "اصطبر" (اُس سے زیادہ صبر کرو (مطلب یہ ہے))۔

﴿فَاعۡبُدۡهُ﴾ ''واصبر''نہیں ہے، ﴿وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ﴾: ایسا ہے نا۔

دونوں میں فرق کیا ہے اصبر، واصطبر؟ ''اصبر''(صبر کرو) ''اصطبر''(اُس سے زیادہ صبر کرو)۔

یعنی عبادت میں جب تک آپ صبر نہیں کریں گے اور صبر بہت زیادہ نہیں کریں گے آپ عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ صحیح ہے کہ نہیں؟

عبادت میں فرائض بھی شامل ہیں، نوافل بھی شامل ہیں، عبادت کے ارکان بھی شامل ہیں، واجبات بھی شامل ہیں، سنن بھی شامل ہیں۔ جب آپ صرف فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں تو تھوڑا صبر ہے نا؟! جب فرائض کی ادائیگی میں اُن کے ارکان (ارکان تو لازم ہیں اُن کے بغیر تو عبادت ہوتی نہیں ہے) کے ساتھ واجبات کا اہتمام بھی کرتے ہیں صبر تھوڑا زیادہ ہے، سنن کا اہتمام بھی کرتے ہیں، اُس سے زیادہ، پھر نوافل کا اہتمام بھی کرتے ہیں اُس سے زیادہ، تو اصبر سے اصطبر ہو گیا کہ نہیں؟ اور وقت پر عبادت کرنا اُس سے زیادہ ہے کہ نہیں؟

اور اس میں ہمیشگی اختیار کرنا ﴿اذۡكُرُوا اللّٰهَ ذِكۡرًا كَثِيۡرًا﴾ (الاحزاب: 41) اصطبر ہے کہ نہیں؟

تو یہ سارے معنیٰ ایک لفظ میں آ گئے ہیں ﴿اصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ﴾۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا﴾ (اور اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور اس پر بہت زیادہ صبر کرو) (طٰہٰ: 132)۔

نماز پر اصبر نہیں ﴿اصۡطَبِرۡ﴾ ہے کیونکہ نماز پر صبر کرنا پڑتا ہے، خشوع و خضوع کو حاصل کرنے کے لیے صرف صبر کافی نہیں بلکہ بہت ہی زیادہ صبر کرنا پڑتا ہے۔

اکثر لوگ پوچھتے ہیں نا "بھئی نماز میں خشوع و خضوع نہیں ہے نماز ذہن اِدھر اُدھر چلا جاتا ہے، نماز میں پتہ نہیں چلتا ہے کہ کون سی رکعت میں ہیں، پتہ نہیں چلتا کہ امام نے کون سی قرأت کی ہے"۔ وجہ کیا ہے خلل کس چیز میں ہے؟ صبر میں، صبر کا حق ادا نہیں ہو رہا۔ تو نماز میں بھی صبر کیا جاتا ہے (سبحان اللہ) ﴿اصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ﴾، ﴿اصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا﴾۔

﴿لِعِبَادَتِهٖ﴾: یہ کہا گیا ہے کہ '' اللام بمعني (علي) على عبادته '': یا ''اصطبر لها ''۔

دونوں ٹھیک ہیں، یعنی: "اصطبر عليها واصطبر لها"۔

اصل معنی: ﴿هَلۡ تَعۡلَمُ لَهُۥ سَمِيّٗا﴾: یہ شاہد ہے "الإستفهام بمعني النفي"۔

﴿هَلۡ تَعۡلَمُ لَهُۥ سَمِيّٗا﴾ (کیااللہ تعالیٰ کا کوئی سمی جانتے ہو؟(اللہ تعالیٰ جیسی کسی اور ذات کو جانتے ہو؟))۔

﴿هَلۡ﴾ "بمعني النفي": یعنی "لا تعلم له سميّا": یعنی "ليس له سميّا": اصل بات یہ ہے، اور یہ خوبصورتی ہے انداز بیان کی کہ استفہام نفی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور "السمي" کہتے ہیں "الشبيه والنظير": مثل، کہ اللہ تعالیٰ کے مثل کوئی چیز بھی نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جیسا کوئی بھی نہیں ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے نام کا مستحق کوئی ہو سکتا ہے۔

بات اسم کی ہو رہی ہے "سمي" اسم کے لفظ سے لیا گیا ہے، جب اللہ تعالیٰ کی ذات جیسا کوئی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے نام جیسا بھی کوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے نام جیسا بھی کسی کا نام ہو نہیں سکتا۔

﴿هَلۡ تَعۡلَمُ لَهُۥ سَمِيّٗا﴾ جواب کیا ہے؟ ہر گز نہیں "لا"۔

اور اگر بات ایسی ہے "فالواجب أن تعبده وحده": جب بات ایسی ہے تو پھر واجب یہ ہے کہ صرف کہ اللہ کی عبادت کی جائے۔ میں نے یہ شروع میں کہا تھا اس آیت کو یاد رکھنا ہے: ﴿رَّبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا فَٱعۡبُدۡهُ وَٱصۡطَبِرۡ لِعِبَٰدَتِهِۦۚ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهُۥ سَمِيّٗا﴾: میں نے کیوں کہا کوئی بتاتا ہے؟

توحید کی تینوں قسمیں ایک آیت میں آگئی ہیں (توحید کی تینوں قسمیں ایک ہی آیت میں ہیں)۔ کہاں کیسے ہیں تینوں قسمیں؟

1-پہلی قسم توحید الربوبیۃ: ﴿رَّبُّ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا﴾۔

2-توحید عبادت: ﴿فَٱعۡبُدۡهُ وَٱصۡطَبِرۡ لِعِبَٰدَتِهِۦ﴾۔

3-اسماء وصفات: ﴿هَلۡ تَعۡلَمُ لَهُۥ سَمِيّٗا﴾۔ (سبحان اللہ)۔

اور اس میں جو نفی کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نام اور مثلیت کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام جیسا کسی کا نام نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات جیسی کسی کی ذات بھی نہیں ہو سکتی۔

اور قاعدہ یہ بیان کیا تھا کہ جب صفات منفیۃ بیان کی جائیں تو ان کا کیا فائدہ ہوتا ہے؟ ''إثبات كمال الضد''۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات اور نام کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثلیت کوئی چیز بھی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جیسی کسی کی ذات بھی نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے نام جیسا کسی کا نام ہے، دونوں کی نفی کی گئی ہے تو پھر ثابت کیا کیا جا رہا ہے؟ ''الكمال المطلق''۔

اگر خاص چیز ہوتی ہے تو اس کی نفی اس کی ضد ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو نیند نہیں آتی اونگھ نہیں آتی ''الإثبات القيّومية''۔

﴿اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ فرمایا نا (البقرۃ:255): زندگی ﴿اَلْحَيُّ﴾ اور قیومیت کو مزید ثابت کرنے کے لیے اور اُس میں کمال کا درجہ بیان کرنے کے لیے نفی کر دی گئی ہے نیند کی اور اونگھ کی۔

ایک انسان زندہ ہے نا انسان زندہ ہے کہ نہیں؟ سوتا بھی ہے اسے اونگھ بھی آتی ہے اُس کی زندگی میں تھوڑا سا خلل پڑ جاتا ہے کہ نہیں؟ جو انسان سو رہا ہے اور سونے کو بھی تو موت کہا گیا ہے نا۔ جب انسان سوتا ہے سوتے میں تو وہ بھی موت کا ایک طریقہ ہے، تو جب اللہ تعالیٰ نے اس کی نفی کر دی ہے: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾ (البقرۃ:255): ﴿اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ پہلے، پھر اس کو ثابت کیا اثبات ثابتۃ ہیں، اور نفی کر دی گئی ہے نیند کی اور اونگھ کی۔

اس کی نفی میں کیا فائدہ ہے؟ ''إثبات كمال الضد''۔ نیند کی اور اونگھ کی ضد کیا ہے؟ الحیاۃ (حیّ) صفۃ الحیاۃ۔

جب اِس کی نفی کر دی گئی ہے تو حیاۃ کامل ہے کہ نہیں؟ ''إثبات كمال الضد''، اس کی ضد کو ثابت کرنا، ضد کے کمال کو ثابت کرنا۔ تو ضد کا کمال کیا ہے؟ "الحیاۃ" (زندگی اللہ تعالیٰ کی)۔ حیاۃ کیا ہے؟ کامل حیاۃ ہے جس میں ذرّے برابر بھی کمی نہیں ہو سکتی، جو مخلوق میں پائی جاتی ہے۔

بہت زیادہ کمی پائی جاتی ہے مخلوق میں کیونکہ اگر مخلوق کو اونگھ نہ آئے یا نیند نہ آئے تو پھر یہ بیماری سمجھی جاتی ہے، یعنی نارمل نہیں ہوتا ابنارمل ہوتا ہے اور علاج کے لیے انسان دوڑتا ہے (سبحان اللہ)۔

2-دوسری آیت، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ (الاخلاص:4)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے جیسا کوئی بھی نہیں ہے اور نکرہ فی سیاق النفی ہے جس کا فائدہ عموم کا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے جیسا کوئی بھی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی بھی نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ کے جیسا کوئی نہیں ہو سکتا۔

پھر اسے پڑھا کیسے جاتا ہے؟ اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں غور سے سنیں ذرا اس کے پوسیبل (Possible) کیا الفاظ ہیں اور یہ کہاں سے آئے ہیں اور کیسے ہیں۔

اصل لفظ ہے ﴿كُفُوًا﴾: کاف کے اوپر ضمہ، فاء کے اوپر ضمہ، اور واؤ ہے اور پھر الف ہے ﴿كُفُوًا﴾۔ اس میں تین قراءات ہیں: (۱) ایک ہے "كُفُوًا"۔ (۲) دوسرا ہے "كُفْئًا"۔ (۳) تیسرا ہے "كُفُؤًا"۔

"كُفُوًا": جیسے ابھی بیان کیا ہے کہ کاف پر ضمہ ہے اور فاء پر بھی ضمہ ہے۔

"كُفْئًا": کاف پر ضمہ ہے اور فاء پر سکون ہے۔

اور تیسرا ہے "كُفُؤًا": کاف پر ضمہ ہے، فاء پر ضمہ ہے لیکن واؤ مضموم ہے اور ہمزہ ہے۔

جو پڑھتے ہیں "كَفْئًا" غلط پڑھتے ہیں، اکثر غلطی ہوتی ہے "كَفْئًا": ﴿كُفُوًا﴾ ہے، "كَفْئًا" نہیں ہے۔

سورۃ الاخلاص میں جب ہم پڑھتے ہیں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ (الاخلاص: 1-4): آپ اکثر سنتے ہوں گے لوگ پڑھتے ہیں "كَفْئًا أحد"۔

"كَفْئًا" نہیں ہے ضمہ ہے کاف پر بھی اور فاء پر بھی ﴿كُفُوًا اَحَدٌ﴾۔

اس میں بھی جو نفی ہے کس چیز کی ہے؟ "الكفء" کی۔ "کفء" برابر والے کو کہتے ہیں، تو برابری کی مثلیت کی نفی ہے۔ اور فائدہ کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کو ثابت کرنا۔ یعنی کوئی بھی اللہ تعالیٰ جیسا نہیں ہے نہ اُس کے علم میں، نہ اُس کے سمع میں، نہ بصر میں، اور نہ قدرت میں، نہ عزت میں، نہ حکمت میں، وغیرہ وغیرہ۔ جتنی بھی صفات ہیں تمام صفات اس میں شامل ہیں، جو بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ثابت ہیں قرآن اور صحیح حدیث میں اُن تمام صفات کے کمال درجے کو ثابت کیا جا رہا ہے اس ایک لفظ میں ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾۔ یعنی "إثبات كمال الضد"۔

جب کفء کی نفی کر دی گئی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ جتنی بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اُن صفات میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے برابر ہو ہی نہیں سکتا، یعنی ان تمام صفات کا کمال صرف اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہے۔

3- تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾(البقرۃ:22)۔

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾: اور یہ مفرعہ ہے، اس سے پہلے کی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۲۱ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ﴾: اس کے بعد فرمایا: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾(البقرۃ:21-22)۔

یعنی ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾: "يعني: في الألوهية": ((نِد کہتے ہیں مثیل کو جو برابر ہے یا جو مثلیت رکھتا ہے)اللہ تعالیٰ کے مثل کسی کو نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کا شریک کسی کو نہ بناؤ جبکہ تم جانتے ہو)۔

کس چیز کے مثل نہ بناؤ؟ عبادت (الوہیت) میں، کیونکہ جو مخاطبین ہیں (مشرکین عرب جو ہیں) انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نِد ربوبیت میں نہیں بنائے (جیسے میں پہلے عرض کر چکا ہوں)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ جو مخاطب ہیں اس آیت میں اُس زمانے کے لوگ جو مشرکین عرب موجود تھے اور اس سے پہلے جو شرک لوگ کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے یعنی وجود کو بھی مانتے تھے اور ربّ بھی مانتے تھے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک (نِد) نہیں بنائے ربوبیت میں۔ جب اللہ تعالیٰ کے تم لوگوں نے شریک نہیں بنائے ربوبیت میں تو پھر تم کیوں شریک بناتے ہو عبادت میں اور الوہیت میں جبکہ تم جانتے ہو کہ تم غلط کر رہے ہو! (سبحان اللہ)۔

تمہیں پتہ ہے کہ جب تم لوگوں نے شرک ربوبیت میں نہیں کیا تو پھر تم کیوں شرک کرتے ہو عبادت میں؟! اصل بات یہ ہے۔

﴿اَنْدَادًا﴾: جمع نِد ہے اور نِد مکافأ کو بھی کہتے ہیں (برابر والے کو بھی کہتے ہیں) اور جس میں مثلیت کا معنی تشابہ کا معنی بھی شامل ہے۔ ﴿وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾: یعنی جبکہ تم خوب جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی شریک نہیں ہے، نہ ربوبیت میں اور نہ ہی الوہیت میں۔ یعنی ایک چیز تم جانتے ہو کہ ربوبیت میں کوئی شریک نہیں ہے تم پر لازم ہے اب تمہیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

پھر یہ جملہ جو ہے اعراب کے اعتبار سے ﴿وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ﴾ یہ جملہ حالیہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں، اور جملہ حالیہ جو ہوتا ہے وہ صفت کی مزید وضاحت اس میں ہوتی ہے تعلیل کی طرح، حکم کی تعلیل جیسے ہوتی ہے وجہ بیان کرنے کے لیے بیان ہوتا ہے۔

تو جب تم خوب جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے ربوبیت میں تو پھر تم کیسے اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہو عبادت میں اور الوہیت میں؟! اور تم اپنے جو تم جانتے ہو اپنے علم کے تم عمل خلاف کرتے ہو تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے، اور اس سے منع کر دیا۔

نفی کس میں ہے (صفات منفیۃ)؟ ﴿فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا﴾: نہی ہے منع کر دیا گیا ہے اور اس میں نہی میں بھی یعنی نفی کا معنی پایا جاتا ہے۔ اور جس کی کوئی نِد نہ ہو کوئی شریک نہ ہو اس کا مطلب ہے وہ صفات کاملہ والا ہے کہ نہیں؟ اثبات صفات الکمال، یا اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

اتنا کافی ہے آج کے درس میں، چوتھی آیت سے آگے ان شاء اللہ پڑھیں گے تقریباً بارہ (12) کے قریب آیات ہیں اور اس کے بعد جو باب ہے اسماء وصفات کا وہ مکمل ہو جائے گا اور اس کے بعد پھر جو دیگر صفات ہیں اُن کو شیخ صاحب جو ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ تو اگلے درس میں ان شاء اللہ چوتھی آیت سے درس کا آغاز کریں گے۔ ((واللہ اعلم))۔

سُبۡحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمۡدِكَ، أَشۡهَدُ أَنۡ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنۡتَ أَسۡتَغۡفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيۡكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (47.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔